© rasailojaraid.com

احساس زیاں

طاہرہ اقبال

مجھے متاثر کیا ان خاتون نے جو افریقی نژاد ہیں۔ عمر کا ہوش ربا دور آسٹریلیا جیسے ایمان شکن معاشرے میں گزرا، ایک پاکستانی سے شادی کی، دو بچوں کی ماں بنیں، سات سالہ بیٹی فاطمہ اور آٹھ سالہ بیٹا حسن، ان دونوں بچوں کے ساتھ وہ پاکستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش پذیر ہیں اور مشترکہ خاندانی نظام میں ساس، سسر، دیور، جیٹھ، جیٹھانی کے ہمراہ رہتی ہیں۔ جب وہ اپنے انگریزی لب و لہجے میں جیٹھانی، سسر، ساس، دیور کہتی ہیں تو وہ رشتے بڑے ہی اچھے لگتے ہیں، جو ہماری روایت اور معاشرتی پہچان ہیں، لیکن ہم نے ان سے غیرت اور دوری اختیار کر رکھی ہے۔ بیٹی کا رشتہ تلاش کرتے وقت ماؤں کی پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ لڑکا یتیم، یتیم سا ہو۔ خاندانی تو ہو، لیکن کسی خاندان کا حصہ نہ ہو۔ گھر بار والا تو ہو، لیکن صرف ان ہی کے گھرانے کا فرد کہلائے۔ پاکستان میں رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے سارہ کہلاتی ہیں۔

My husband said,Take away my daughter far,far away from this society ''میرے شوہر نے مجھے کہا۔ میری بیٹی کو اس گندے معاشرے سے دور لے جاؤ اسے غلاظت سے بچالو۔''

جب سارہ سے مغربی کلچر سے متعلق بات کی جائے تو وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر آنکھیں میچ لیتی ہیں۔ ان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے۔ سنائی تو نہیں دیتا، لیکن چہرے پر پھیلے تاثرات اس معاشرے کی بھیانک تصویر کی عکاسی کر دیتے ہیں۔ وہ بار بار کانوں کو چھوتی اور آنکھیں میچتی ہیں اور سات سالہ فاطمہ کو محفوظ رکھنے کی خاطر بنیادی ضروریات سے بھی محروم اس پاکستانی گاؤں میں رہنے کا عزم ان کے چہرے پر پختہ نظر آتا ہے۔

یہ وہی کلچر ہے جس کی نقل میں ہم دیوانے ہوئے جا رہے ہیں اور دیوانگی بے شعور اور ناعاقبت اندیش ہوا کرتی ہے۔ ہم اس کلچر کی سمت ایسے کھنچے جا رہے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی سمت، یہ جانے بنا کہ مقناطیس سے لگ کر لوہے کا اپنا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہر نوجوان کا ایک ہی خواب ہے۔ کوئی تو جادوئی عمل ہو کہ وہ راتوں رات امریکہ یا یورپ کا ویزا حاصل کر سکے۔ پڑھ لکھ کر، اپنے ہنر کو باہر منتقل کرنے کے درپے ہیں اور بے ہنر اپنی افرادی قوت کو باہر کی بھٹیوں میں جھونکنے کو بے تاب ہیں۔ وہاں کس ذلت، کس مصیبت اور ابتلا سے گزرنا پڑے گا، یہ سوچنے کے لیے تو حقیقت پسند ہونا ضروری ہے، جب کہ ہماری جان کے طوطے، جن پنجروں میں بند ہیں، وہاں رومانوی جزیروں میں لٹکے ہیں، جہاں ہوش و خرد معطل ہو جاتے ہیں۔ میاں مٹھو چوری کھانے کے شیریں ورد کے طلسماتی آہنگ میں سوچنے سمجھنے کی حس مفلوج ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسن سے جب پوچھا جائے۔ آپ کو پاکستان پسند ہے یا آسٹریلیا تو وہ پرجوش انداز میں لیاقت علی خان والا مکا فضا میں لہراتا ہے۔ ''پاکستان زندہ بادہ۔''

اگرچہ وہ اردو نہیں بول سکتا، لیکن تائی، چاچی، پھوپھو، دادی جیسے الفاظ اس کی زبان سے ادا ہو کر عجب مزہ دیتے ہیں، کیونکہ اب تک صرف ماں باپ، کمپیوٹر، ٹی وی اور کھلونے کے ناموں سے ہی تو اس کی زبان آشنا تھی۔ ان جیتے جاگتے رشتوں کا تحفظ، اس پاکستان کے گھٹے ماحول اور آسائشوں کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتا۔ ان ہی رشتوں کی گرمی جن رشتوں کو ہم خود ختم کرنے کے درپے ہیں۔

''ہم دو، ہمارے دو'' کا نعرہ دراصل کیا ہے۔ ان ہی رشتوں کا قلع قمع ہی تو ہے۔ ہم نے بچوں سے بہن بھائی چھین کر ان کا بچپنا ہی نہیں چھینا، انہیں کھیل کود سے دور کر کے انہیں انٹرنیٹ اور کیبل کے گندے کیچڑ میں ہی نہیں دھکیلا، بلکہ آئندہ نسل سے چچا، تایا، خالہ جیسے خوبصورت رشتے بھی چھین لیے ہیں۔ اب کوئی خالہ کسی بھانجی کا فراک نہ سیے گی۔ کوئی چاچو کسی بھتیجی کے لیے ٹافیاں نہ خریدے گا۔ بس انکل اور آنٹیاں ہوں گے، سخت اور کرخت کاروباری چہرے ہوں گے۔ انٹرنیٹ ہوگا اور کیبل کے مصنوعی ڈرامے ہوں گے۔ زندگی کی حقیقت، حرارت اور حسن سے عاری مشینی زندگی ہوگی، جس کے پرزے ہم ہوں گے۔ جنہیں ذرا سی خرابی پر استعمال سے باہر کر دیا جاتا ہے کہ رشتوں کی کمی انسانوں سے محبت کا فقدان ہوتی اور مشینی انسانوں کے پاس دوسروں کے لیے وقت نہیں ہوا کرتا۔

ہم مغربی تہذیب کی سمت ایک احساس کمتری لیے بڑھ رہے ہیں اور جب کسی چیز سے انسان متاثر ہو کر اسے اپناتا ہے تو پھر اس کی نگاہیں چندھیا جاتی ہیں اور چندھی آنکھوں سے کسی چیز کے عیب نظر نہیں آیا کرتے، جس کلچر سے اس کے بنانے والے پناہ مانگتے ہیں، جو تمام مذہبی اخلاقی ضابطوں کو پامال کر کے انسان کو پتھر کے دور میں دھکیل رہا ہے، ہم نے ادھر ہی ریورس گیئر لگا رکھا ہے۔ ہم سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ تو لگاتے ہیں، لیکن اس کا رس نچوڑ نچوڑ کر باہر منتقل کر رہے ہیں۔ بینک بھرتے ہیں تو باہر کے، محل خریدتے ہیں تو باہر، بچے سیٹ کرتے ہیں تو باہر، اپنی ہنرمندیاں اور توانائیاں خرچ کرتے ہیں تو باہر، ان کی اچھی باتیں اپناتے ہیں تو باہر جا کر اور باہر ہی چھوڑ آتے ہیں۔ ساتھ لاتے ہیں تو محض مغربی کلچر کی گندگیاں، ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے جیسے ہی موقع ملے، اس ملک کو چھوڑ دو یہاں رکھا ہی کیا ہے۔ جس ملک کی مٹی نے ہمیں پالا، جس کے پانیوں نے سینچا، جس کی معاشرت نے خوبصورت رشتوں سے نوازا، جس کی اخلاقیات اور اصول ضوابط نے ہمیں مہذب انسان بنایا۔ وہاں اب رکھا ہی کیا ہے، مرعوب انسان میں اچھائی برائی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

آیئے ہم بھی حسن کی مانند مکا لہرا کر خوددار انسان کی طرح خلوص نیت سے نعرہ لگائیں۔ ''پاکستان زندہ باد۔''

اور سارہ کی طرح آنکھیں میچ کر کہیں۔

''I want to save my daughter from that dirty society.''

☆☆☆

© rasailojaraid.com